

## سوال یہ ہے !

(اوراق شمارہ 4، 1966)

اوراق کے زیر نظر شمارے میں محرک بحث پروفیسر غلام جیلانی اصغر ہیں۔ انہوں نے جو مضمون لکھا ہے اس کی متعدد نقول احباب میں تقسیم کی گئی تھیں۔ ان احباب میں سے ڈاکٹر وحید قریشی، سجاد باقر رضوی، جمیل آذر اور محمد افضل ملک نے (کہ سب ادب کے نہایت زیرک طالب علم ہیں) ہمیں اپنے تاثرات سے نوازا ہے اور اب ہم یہ ساری مربوط بحث قارئین کے وسیع تر حلقے کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

یوں تو اسلوب کا مسئلہ خاصا الجھا ہوا ہے اور اس کی لاتعداد پرتیں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک نقاد کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی سکت رکھتی ہے۔ تاہم بنیادی طور پر یہ مسئلہ شخصیت کی آمیزش یا اخراج ہی سے متعلق ہے اور اس ضمن میں دو مکاتیب فکر پہلے سے موجود ہیں۔ ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں مکاتیب بات ایک کہتے ہیں۔ مثلاً ان میں سے ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ اسلوب میں شخصیت کی آمیزش سے مراد شخصیت کی تہذیب کا عمل ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ جذباتی بیجا ان، نجی کوائف اور سوجھی ہوئی انا، ادب میں داخل ہو (جیسا کہ ایک عام قاری غلطی سے سمجھ لیتا ہے) دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ تخلیق فن میں ہم اپنے شخصی یا ذاتی تجربے کو ایک معروضی لبادہ پہنا کر گویا اپنی شخصیت سے فرار حاصل کرتے ہیں (مگر یہاں بھی شخصیت کی کاپی اصل بات ہے) بنیادی طور پر شخصیت کی تہذیب اور شخصیت سے فرار مختلف باتیں نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک مثبت اور دوسری منفی انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ پیشہ ور نقاد کی بات چھوڑیے، لیکن ایک فن کار (جو تخلیق کے مرحلے سے گزرتا ہے) فوراً پہچان لے گا کہ وہی سہم جو پہلے سفید گھونگھٹ میں آئی تھی۔ اب سیاہ برقع اوڑھ کر نمودار ہوئی ہے۔ بہر کیف اس سارے مسئلہ کو اس زاویہ نگاہ سے بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

(دو زبانوں)

## محرک بحث: غلام جیلانی اصغر

سوال یہ ہے کہ اسٹائل یا اسلوب کیا چیز ہے اور اس کا ادیب یا شاعر کی شخصیت سے کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے دو حصے ہیں (۱) اسٹائل کا انفرادی کردار اور اس کے اجزائے ترکیبی (ب) طرز اور صاحب طرز کی شخصیت کا باہمی رشتہ، اس ضمن میں یہ بات قابل غور ہے کہ کیا اسٹائل شخصیت کا پورا اظہار ہے یا شخصیت کے غالب پہلوؤں کی نشانی ہے۔

یہ سوال ہر دور میں ہی چھٹا گیا ہے اور دور اپنے مزاج کے مطابق اس پہلی کوشش کو تباہ کر رہا ہے۔ یا لگتا ہے کہ ادب اپنے بنیادی مسائل کے قطعی حل سے گریز کرتا ہے۔ شاید اس لیے کہ کہیں ان مسائل کی افادیت ختم نہ ہو جائے۔ مزید برآں نقاد بھی ادب کے غیر حل شدہ مسائل پر چلتا ہے۔ اگر مسائل یکسر ختم ہو جائیں تو جمالیاتی تنقید کا افق مست کر رہ جائے۔ بہر صورت اسلوب کا مسئلہ فرسودہ ہونے کے باوجود اپنے اندر جدت فکر کے امکانات رکھتا ہے۔

قبل اس کے کہ اس سوال کے مختلف گوشوں پر لکھا جائے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغاز بحث ہی میں یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ اسلوب اور خیال یا ذہنیت اور موضوع میں کیا رشتہ ہے۔ میرے ایک دوست اسانی تنقید کی جدت اور اظہار کے اہتمام کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ خیال کے وجود یا عدم وجود کے بارے میں چنداں شک نہیں ہیں۔ ان کی شاعری کا سارا جہان بانصوتی آہنگ اور منظر تصویریری بیکروں کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ ان کے لیے اسلوب ہی سب کچھ ہے۔ لیکن یہ بات کوئی ایسی نئی نہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر میں یہ نظریہ عام تھا کہ اسلوب خیال پر فوقیت رکھتا ہے، بلکہ اسٹائل (فلسفہ جمالیات کی زبان میں) قائم بالذات ہے اور خیال کی اساس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ اس نظریے کی ترویج اور فروغ میں آسکر وائلڈ اور اس قبیل کے دوسرے فن کاروں کا ہاتھ تھا۔ خود ہمارے ہاں بھی ایک ایسا دور گزر رہا ہے جس میں ادیب لطیف (میرا مطلب صنف سے ہے) بہت مقبول ہوا۔ اب تو شاید وہی احمد پڑھنے والے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ لیکن میری جوانی (یہ بھی ایک مفروضہ ہے) کے زمانے میں ”بلور کا شمر مرمر میں عشق عمیق شیداؤں کی چٹکی ہوئی چاندنی“ قسم کی نثر بہت عام تھی اور بناؤ بیچ پوری جیسے نقیہ شکر نگار بھی اس کے جادو سے نہ بچ سکے۔ (شباب کی سرگزشت) یہ وہ زمانہ تھا کہ جب آسکر وائلڈ کے ڈراما ”سلوی“ کا اردو میں ترجمہ ہوا اور سکولوں کا لجنوں میں مقبول بھی ہوا۔ ادب میں ابھی ”بالغ شعور“ کا دور نہیں آیا تھا۔ اس مقبولیت کی بنیاد اسلوب نگارش کی ایک خاص اُتچ پر تھی۔ مرقع نگاری بڑا ایک کے صوتی آہنگ کو زبان کی سلاست اور خیال کی سخت پر فوقیت حاصل تھی لیکن بچی بات تو یہ ہے کہ خیال کے اساسی وجود کے بغیر اسلوب کی تازگی اور قدرت از خود محض نظر ہے۔ Baffon نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اسٹائل سے پہلے خیال کا وجود لازمی ہے۔ یعنی جب تک کہنے والے کے پاس واضح یا غیر ہم خیالات موجود نہ ہوں۔ اس کے ذاتی تجربے میں انفرادیت اور قدرت اور اس کی شخصیت میں خلوص اور کشادگی نہ ہو تو اسٹائل محض الفاظ کا ایک بے جان اور بے رنگ بیکر بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسی تحریر دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ انگریزی میں ایسی تحریر کی مثال Lyly کی Eupheus ہے اور اردو میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی نثر کا بیشتر حصہ اسی نوع سے متعلق ہے۔ دراصل ذہنیت اور موضوع یا اسٹائل اور خیال کی اس دائمی بحث نے مسئلہ کو گنجلک بنانے میں بڑی مدد کی ہے۔ فلسفہ کی سطح پر اس بحث کو دلچسپ تو بنایا جاسکتا ہے لیکن سمجھا یا نہیں جاسکتا۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے۔

انجیل مقدس نے کہا ابتداء میں کلام (یعنی لفظ) تھا اور کلام خدا ہے۔ افلاطون نے کہا ابتداء میں ایمان تھے اور یہ تمام کائنات انہی ایمان کا ایک خیال بیکر ہے اور نقاد نے با آواز بلند کہا۔ ”بس میں تو یہی جانتا ہوں کہ کچھ نہیں جانتا یا سب کچھ جانتا ہوں۔ حقیقت میں مسئلہ اتنا پیچیدہ نہیں۔ ذہنیت اور موضوع کی شمولیت وہی مادہ اور روح کی ابدی شمولیت ہے جو زندگی اور ادب کے سارے گوشوں میں جاری و ساری ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ کسی کی جدت یا اسٹائل کا نیا بین یا حسن اُسے بڑا مقنا

جب وہ شعر ہو چکے ہوتے ہیں۔ آدمی کی شخصیت کے شعری پہلو پر بڑی سوچا ہوا اور عملی انتخاب ہوتے ہیں۔ اس لیے ان شخصیت کا صرف ترقی معاشی ممکن ہے۔ ہم جب کسی ادبی فنکار کا معیار کرتے ہیں تو شخصیت اس کا گیارہواں حصہ ہے۔ وہ فنی شخصیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے صرف چند پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ بلکہ یہاں ہونا چاہیے اسلوب کے نمایاں خاصیت لکھنے والے کی شخصیت کے غالب خاصیت کی انھیں کی کرتے ہیں اور ان کی مدد سے ہم ادیب کی شخصیت کے دستور کو خود میں سمجھ سکتے ہیں۔ ہم یہ جان سکتے ہیں کہ مولوی نذیر احمد نے ایسا کیوں کہا اور سر سید کا اسٹائل مہدی افغانی سے کیوں جدا ہے اور اختر شیرانی، اقبال سے مختلف اسلوب میں اپنا کیا کرکیر کرتے ہیں اور ان کا رنگ کے رنگوں میں جوتا رت ہے وہ کتنے کے ہاں کیوں نہیں اور شاعر کی طبعی تصویروں کے خطوط، آواز، شاعریت کا رنگ ہے۔ سادہ سادہ خیال تصویروں میں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر فن کا ایک منظر اور بلا شرکت غیرے شخصیت کا رنگ ہے۔ سادہ سادہ خیال ہے کہ ہر فن پر دنیا کی طور پر چمکا ہے۔ اس لیے اس کا اسلوب بھی جدا ہے اور منظر ہے۔ خود اسلوب کے بارے میں بھی وہی قافیہ ن کا فرما ہے جو حیاتیاتی کائنات میں ہے۔ جس طرح ماں باپ کا یہ کہانہ عقد ہے، بچہ تک پہنچتا ہے اور جیسا کہ طبیعی طور پر اس کا تجلیاں اور اس کا انداز استدلال اس کے اسلوب میں ملج پڑ چکی ہے (اس ضمن میں میر اور اقبال کے اسٹائل کا موازنہ بہت مفید رہے گا۔ میر کے اسٹائل کی بہک خدائی اور مستثنی کا قیام اقبال کے اسلوب کی بھی گنجائش ہے) اس لیے Button کا چیراں اسٹائل شخصیت کے آئینہ دار ہے صرف ادبی فن نہیں بلکہ حیاتیاتی سطح پر بھی صحیح ہے (اس ضمن میں میر اور اقبال کے اسٹائل کا موازنہ بہت مفید کرتے وقت یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ شخصیت کا اثر صرف الفاظ کے انتخاب، بظہور کی ترکیب، جملوں کی ساخت اور ان کے تغیر کی نظامت ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ تحریر کا انداز تو صرف Punctuation بھی نہیں لکھنے والے کے احسا

س

س وقت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے (جو لوگ لیت لکھتے ہیں ان کے جملوں میں آواز کا اثر غالب ہوتا ہے۔ جدید ترین نظم میں مصر

فوں کی ساخت اور ترتیب سے جدید شاعر کے شعری نظام کی حیاتیاتی کیفیت کا انداز ہوتا ہے)

ادب میں ایک اور مکتب فکر بھی ہے جس کا قائل فی السالیٹ ہے۔ وہ اسلوب شخصیت کا اظہار نہیں بلکہ شخصیت سے فراز اور آتا ہے۔ جہاں تک تمثیل کا تعلق ہے سالیٹ کا نظریہ درست ہے کیونکہ تمثیل نگار کہیے کہ انسانی کی بھی تخلیقیت رہتا ہے جو باوقاقت اس کی شخصیت سے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہوتے ہیں۔ تمثیل نگار کا خیال اس میں ہے کہ وہ ان میں دادوں کو وقت اور آواز اور رنگی مطالعہ کرتے۔ وہ اپنی زبان اور اپنے لہجے میں گفتگو کریں۔ اگر تمام زبانیں تمثیل نگار کی زبان میں گفتگو کر رہیں تو یہ کوئی کوئی ہوگی۔ شعر اور باتوں کے واسطوں میں بھی قص ہے کہ زبان کی ہر پرت میں صاحب ساز کے لہجہ کی ٹھکن سنا دیتی ہے۔ ایک صحت مند تمثیل نگار کی شخصیت اور اس کی آواز دوسرے کے کرداروں کی شخصیت اور آواز ٹھکن ہو جاتی ہے۔ لیکن اس آواز کو صرف کوئی مرد و یک صمد درود دیتا چاہیے۔ فن کا رد و سہ میں تو اپنی آواز شخصیت کی فنی کرکیر ہے۔ لیکن جہاں تک تخلیقی ادب کی دوسری اصناف بالخصوص شاعری کا تعلق ہے، یہ ممکن نہیں کہ اسٹائل فن کار کی شخصیت کی منفرد چھاپ سے فٹ لگے۔ اگر ایسا ہو جائے تو نہ صرف دیوان اور افسانہ کی کتاب میں کوئی بنیادی فرق نہ رہے۔ بقول اقبال شخصیت کا ظہور اسلوب کتابت کی اور پوئندگی بخشتا ہے اور اسٹائل اس رنگ سے پھیل نہ ہو تو فنی پارہ کی پائیائی نظر ہے۔

مہربان ہوئے۔ دے سکتا۔ قلم اپنی کتنی ہی ممکن ہیں نہ ہوا کہ اس کے پیچھے خیال جو دہشتوں تو وہ آواز اور طور پر آواز ہو سکتا ہو۔ لیکن اس طرح خیال اپنی تمام عزت اور منطق کے باوصف اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتا جب تک اسے موزوں موضوع نہ ملے۔ اس کی کوئی دھندلائی نہ ہو اگر یہی ادیب ہے ایک مثال کے ذریعے کہہ سکتے ہیں۔ لاک کے ہاں خیال کی ہوت تو یہ ممکن اس کی تحریر میں اسٹائل کی کمی ہے۔ اس کے برعکس ہر کلمے کی تحریر میں خیالات کی ہوت کے ساتھ ساتھ اسٹائل کی تازگی بھی اس میں موجود ہے۔ مثالی مطالعہ میں بطور فن کار کے ہم پر کلمے کو لاک پر فوقیت دیتے ہیں۔ حالانکہ جہاں تک خیال کی بنیادی محنت کا تعلق ہے۔ مثالی مطالعہ میں بطور فن کار کے ہم پر کلمے کو لاک پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا (اگر آپ نتائج پر مہم کریں) کہ اسٹائل کا اپنا ایک ہے اور دونوں میں ایک قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا (اگر آپ نتائج پر مہم کریں) کہ اسٹائل کا اپنا ایک انفرادی کردار ہوتا ہے لیکن بقول دوزخ میں خیالات کے بنیادی مضمر کا ہونا ضروری ہے۔

اب جب کہ ہم نے (میں نے) چکے تسلیم کر لیا ہے کہ خیال، اسٹائل میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے تو ہم اسٹائل کے اجزائے ترکیبی کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں۔ اسٹائل کا تعلق شعری اور مصوقی تاثرات سے بھی ہے۔ (ان دونوں خوبیوں کا مصوقی اور بلا سٹک آڑیں پر بالخصوص اطلاق ہوتا ہے) الفاظ کی مخصوص درجہ دست اور ان کا نمایاں نظام اس طرح پر استوار کیا جاسکتا ہے کہ قاری کے ذہن پر وہ تاثر مکمل طور پر ثبت کارفرما ہوتا ہے اور یہی وہ مخصوص انداز ہے جسے ہم شخصی اسٹائل سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ غالب اور ذوق ہم عصر ہوتے ہوئے بھی ایک ایک سرے سے مختلف زبان لکھتے ہیں۔ ان کے استعارات اور تصورات کا پیرا ایک دوسرے سے مختلف ہے کیونکہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہمعانی تو یہ چاہیے تھا کہ ایک دور کے گہری اور معاشرتی عوامل زبان کی ایک جتنی اور قلعے معلیٰ کا فنی لفظ دونوں کو ایک مانتا کرتے اور ایک ہی شاعری کی کوئی ختم دیتے۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ قومی اور عصری مراجع کے علاوہ فرد کا اپنا بھی ایک مراجع ہوتا ہے جو تاریخ سے بھی قومی ہوتا ہے۔ یہ مراجع غیر شعری طور پر تحریر کے رنگ و بڑ میں برقا میں جاتا ہے۔ اس لیے جب ہم کسی قابل ذکر تحریر کو پڑھتے ہیں، لکھنے والے کا شخصی انداز اگر اور بنیادی رجحان اپنے بحر پورا انداز میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسی لیے شور پنہا در نے کہا ہے کہ اسٹائل روح کا چہرہ ہے۔ ایک نہایت پرانی ترکیب میں اسٹائل کو Mantis character بھی کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تحریر شعری طور پر لکھنے والے کے کردار اور شخصیت کا آئینہ ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی تحریر میں لکھنے والے کی شخصیت کے تمام گوشے منکشف ہوتے ہیں یا صرف کچھ پہلو؟ یہ سوال تو کچھ ایسا ہی ہے جیسے آپ یہ پوچھیں کہ کیا ایک فرد کی شعری اور غیر شعری حرکات اس کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا اظہار کرتی ہیں؟ اگر کرنا دیتا اور اندر کے آدمی کا تعلق انتہا گہرا ہوتا تو پھر آدمی کو کچھ جسے چھپا دینا وقت سے ہوتا ہے۔ (جس میں) قومی قہم عناصر میں بھی بحر کا داد دیتے، اسے دوسرے دن قہم دیتے ہیں تاہم نہ کرتے) لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ ہم اکثر لوگوں کے ساتھ کہتے ہیں اور قیاسیاتی کا بھی دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس سے باوصف ہم ان لوگوں کو یوں ہی طرح سمجھ نہیں پاتے بلکہ خود اپنے حقائق لکھنا کچھ جانتے ہیں ہمارے عمل اور کردار کے کچھ گوشے اس وقت ہمارے سامنے آتے ہیں



نقش ہیں سب نام خون جگر کے بغیر

نقہ ہے سوائے خام خون جگر کے بغیر

آخر میں اس سوال کو کچھ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ کیا اسلوب خیال و زبان اور منفرد انداز فکر کا آئینہ ہے اور اس پر فن کار کی شخصیت کی گہری چھاپ ہوتی ہے کیوں کہ فن کار کی زندگی اور اس کے انداز فکر کے مختلف گوشے اس کے اسلوب میں اس طرح قہر ہو جاتے ہیں کہ ہم اسلوب نگارش سے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کا لکھنے والا کون ہے۔ اس لحاظ سے اسلوب ایک ایسی منفرد خاصیت ہے جس کی نقل ممکن نہیں اور جہاں کسی ادیب نے اپنے سے عظیم تر ادیب کے اسلوب کی تقلید کی ہے وہاں ہی اس نے خود کو کھائی اور اس کی اپنی آواز کی انفرادیت بھی آوازوں کے گنبد میں بکھر گئی ہے۔

### ڈاکٹر وحید قریشی

اسلوب کیا ہے؟ یہ مسئلہ ایک لحاظ سے ادب کی بنیادی اقدار سے متعلق بھی ہے۔ اچھا اسلوب۔ برا اسلوب۔ ان کی جانچ کا معیار کیا ہے؟ کیا اسلوب ہی کسی ادب پارے کی قدرو قیمت کو متعین کرتا ہے یا اس کے لیے دوسرے عناصر کی اہمیت ہے؟ غلام جیلانی اصغر صاحب نے ان میں سے کسی مسئلہ کو بھی نہیں چھیڑا۔ ہاں ضمناً جہاں وہ ل احمد کے دوران کے معاصرین کا ذکر کرتے ہیں اپنے رویے کا بالواسطہ اظہار کر کے اس اسلوب کو رد کرتے ہیں۔ اسی طرح خیال کے بغیر اسلوب پھر حیثیت نہیں رکھتا۔ اس پر اظہار رائے کرتے ہوئے بھی اصغر صاحب قدرو قیمت کے مسئلے سے دو چار ہوئے تھے۔ لیکن بڑی صفائی سے بات کا رخ موڑ کر وہ دوسری باتوں کی طرف نکل گئے ہیں۔ کیا اسلوب ذاتی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے یا غیر ذاتی۔ وہ شخصیت کا اظہار ہے یا شخصیت سے فرار؟ یہاں بھی اصغر صاحب کچھ زیادہ کھلے نہیں۔

اسلوب کا رشتہ جہاں ایک طرف معاشرتی اور ادبی اقدار اور ان کے گونا گوں پہلوؤں کے ساتھ ہے۔ وہاں اس کا تعلق زبان اور ابلاغ کے مسائل کے ساتھ بھی ہے۔

اصغر صاحب لفظ و خیال کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا ہے۔ افلاطون کا ایمان کا تصور۔ بیت اور موضوع کی حیثیت۔ خیال کا ایک خارجی وجود۔ اگر یہ سب کچھ بیک وقت صحیح ہے تو اسلوب ایک میکا کی مثل کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی مان لیتے ہیں کہ خیال بغیر الفاظ کے وجود میں نہیں آتا۔ اس طرح الفاظ و معانی کا رشتہ جسم و روح کا رشتہ قرار پاتا ہے۔ تو خیال کا الگ وجود چہ معنی دارد؟ لاک اور برکے کی مثل ہیں بھی اسلوب کے محض میکا کی ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے اصغر صاحب کے دوسرے کلمے سے متصادم ہیں۔ دوسرے ان مثالوں سے کچھ ایسا شبہ بھی ہوتا ہے کہ خیال اور الفاظ کا اصغر صاحب نے کوئی تناسب بھی مقرر کر رکھا ہے۔ جہاں یہ تناسب نہ ہوگا وہاں ادب پارہ معیار سے گر جائے گا۔ شائد اسی پیانے پر احمد اور ان کے ساتھی رد کئے گئے ہیں۔ بینا شبہ کا ترا زو اس موقع پر بھی نمودار ہوتا ہے جب وہ اس سوال کو اٹھاتے ہیں کہ کسی تحریر میں لکھنے والے کی شخصیت کے تمام گوشے منعکس ہوتے ہیں یا صرف کچھ پہلو۔ اور امتحان کے پرچے میں اس کے دولوک جواب یہ بنتا ہے کہ صرف کچھ پہلو، اگر وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور اگر وہ یہ بھی مانتے ہیں (اور یقیناً مانتے ہیں) کہ فرد اپنے رد عمل میں

سرے سے مختلف ہوتا ہے تو پھر اسلوب کے معیار مقرر کرتے ہوئے وہ سوسائٹی کے ریلے کو صرف کچھ پہلو کی حدود میں کیے بغیر کہتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ فرد اس کا قریبی ماحول، اس کی تعلیم، اس کا مطالعہ، اس کے ادب کی عام فضا، اس کی معاشرتی حالت، سیاسی، سماجی اقتصاد، مذہبی تصورات یہ سب جس طرح اس کی شخصیت کو متعین کرتے ہیں اس حساب سے اس کی شخصیت کا اندکاس اسلوب میں بھی ہوتا ہے۔ کچھ یا زیادہ کا تعین بھی انہی عوامل کے زیر اثر ہوتا ہے۔ بعض ادیب ایسے ہوتے ہیں جن کی تحریروں میں ان کی شخصیت کی زیادہ تمہیں نمایاں ہوتی ہیں۔ بعض کی کم تو یہاں وہ کلیہ کام نہیں دیتا جو اصغر صاحب نے وضع کیا ہے۔ باقی رہا اسلوب کے غیر ذاتی یا شخصیت سے فرار کا پہلو تو یہاں بھی مسئلہ دراصل فرد اور معاشرے کے تعلق کا ہے۔ اسلوب اخفائے ذات کا وسیلہ بھی ہو سکتا ہے اور افشائے ذات کا بھی۔ معاملہ ہر پھر کر اس نقطے پر آ جاتا ہے کہ ادیب اور شاعر اپنی شخصیت کا اظہار ادب کے اگلے پچھلے سلسلوں اور اپنے دور کی فضا کے ساتھ کس انداز میں کرتا ہے۔ ادب کے مسائل میں بنیادی ستون تو بہر حال اس کا ماحول، اس کی ادبی روایات ہی ہیں۔ اس مثلث میں ادیب اور شاعر کی تخلیقی صلاحیتیں محدود ہیں۔ ایلینے نے کہا تھا کہ اسلوب ذات سے فرار کا نام ہے۔ اصغر صاحب کا خیال ہے کہ اس نے یہ بات ڈرا سے کہ فن کو پیش نظر رکھ کر کہی ہے۔ یہ درست نہیں۔ ایلینے نے ادیب کی بھی اصناف کو سامنے رکھ کر ایسا کیا تھا۔ اس کا تعلق اس کی روایت (Tradition) کے تصور کے ساتھ ہے۔ ادب و شعری ہمار کی ادبی اور ذاتی عناصر کی تشکیل کے سلسلے میں ایلینے نے اسلوب کو شخصیت سے فرار کا نام دیا تھا۔ لیکن مسئلہ تو اپنی جگہ پر ہے کہ کوئی ادیب یا شاعر اپنی تخلیقات میں کس حد تک غیر ذاتی عناصر یا ن کرتا ہے اور کس حد تک حد تک شخصی اور ذاتی نوعیت کو برقرار دو بحال کرتا ہے۔ قدرو قیمت کے لحاظ سے وہ ادب زیادہ وسیع ہو گا جس کی اہل زبیل و دست ہے۔ جس میں ایک تجربہ دوسرے تجربہ بات کے لامتناہی سلسلوں سے زیادہ منسلک ہوگا۔ ایلینے بھی یہاں اسلوب کی اسی پیغمبرانہ لے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہاں پھر معاملہ قدرو قیمت اور اتھو برے کی بحث پر آ رہا ہے اور میں نے عرض کیا تھا کہ اصغر صاحب نے سرے سے یہ جھگڑا ہی نہیں پالا تو پھر اس معاملے میں انہیں مطعون کرنے کا فائدہ؟

### باقر سجاد رضوی

اسلوب کیا ہے؟ اس ایک سوال کے مختلف جوابات ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ جو مواد یا موضوع اور اسلوب کی حیثیت کو نہیں مانتے اور شاعری کی شخصیت کا اظہار سمجھتے ہیں۔ وہ اسلوب کو بھی شخصیت کا اظہار کہیں گے۔ اس کے برعکس جو مواد اور اسلوب کی حیثیت سے قائل ہیں اور شاعری کو شخصیت کا اظہار نہیں سمجھتے، وہ اسلوب کو اپنی ان کہیں گے۔ مثلاً کیلیں یا پھر شخصیت سے فرار کہیں گے مثلاً ٹی ایس ایلینے مگر ٹی ایس ایلینے کا یہ بھی کہنا ہے کہ محض وہی لوگ جن میں جذبہ بھی ہوتا ہے اور شخصیت بھی یہ جان سکتے ہیں کہ شخصیت کے کیا معنی ہیں؟

میری اپنی ادنی رائے یہ ہے کہ زندگی اور فن دونوں میں مواد اور موضوع کی تنظیم، اظہار کے لیے ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ قول کہ اسلوب ہی انسان ہے۔ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اسلوب شخصیت کا اظہار ہے تو بھی شخصیت کا تعلق محض انسان کے شعور سے ہوتا ہے۔ جس حد تک انسان یا شعور ہوگا۔ اسی حد تک متنوع شخصیت کا مالک ہوگا۔ پس یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اسلوب شعوری انسان ہے۔ زندگی کا شعور زندگی کے اسلوب کا اور فن کے شعور کا تعین کرتا ہے۔





جب فی ایس ایلٹ یہ کہتے ہیں:

عہدات ہے۔

کے اتصال سے ہی اس عالم کا اسلوب میں زندگی تازگی اور اندرت پیدا ہوتی ہے۔

مقام سے جہاں غالب کہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

میں نے طہنہ کے لیے زندگی ہے۔ اس کے لیے موت ہے۔

My

United Sensibility یعنی ہے۔۔۔ جب دو ذرا متضاد اور ملحقہ ملحقہ کی طرف آتے ہیں تو وہ ملحقہ





[illegible][illegible]

۱۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۲۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۳۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۴۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۵۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۶۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۷۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۸۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۹۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔  
 ۱۰۔ اے اللہ! میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے بے نیاز نہ کرے۔

[illegible]

(Mid-Western Foren Sic Provincial Urban)

[illegible]

تشریح: قدرتی نعمتیں ہمارے اسلوب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ قدرتی نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے - حیران کن کی انتہائی حد تک

کے غالب خواص کا اثر انداز ہوتا ہے۔ قارئین کا مخصوص انداز فکر بھی اُنہماں خیال کو ایک حد تک متاثر کرتا ہے۔ جس کا لادہ اثر اُسلوب کے ابلاغ ہوتا ہے۔ اس طرح اُسلوب کا ایک مخصوص مرتبہ شمار میں آتا ہے مثلاً عوامی اُسلوب، سیاسی لیڈروں کا اُسلوب، بنگارش، درباری اُسلوب، تحریر وغیرہم۔ مراتب اُسلوب میں آخری صورت اس اُسلوب کی ہے۔ جس کی امتداد و فنکار کی غایت یا طبعی و روحانی کیفیت سے متعلق ہوتی ہے۔ اس طرح کہ یہ مخصوص کیفیت یا غایت بنیادی ہند ہے یا خیال کا غالب حصہ قرار پاتی ہے۔ تا آنگہ وہ اُسلوب میں عکاسی کرنے لگتی ہے۔ مثلاً ہذہاتی اُسلوب، جس سے کہ فنکار کسی مخصوص موقع پر اپنے خصوصی جذبات و کیفیات کو روانی دیتا ہے۔ طرز یہ اُسلوب ڈپلومیٹک اُسلوب، معلوماتی اُسلوب وغیرہم۔

اُسلوب کی مذکورہ بالا تقسیم و مراتب سے اس حقیقت کی نشاندہی بڑے واضح انداز میں ہو جاتی ہے کہ اُسلوب ہر سستی عناصر و عوامل کے انتہائی پیچیدہ عمل کا نام ہے۔ یہ ادب کی وحدت میں کثرت کے جلوؤں سے بھرپور کائنات ہے اور اسے کسی طور بھی کسی مخصوص حکم کے تابع نہیں رکھا جاسکتا۔

(سوال یہ ہے: مرتب: نوشی انجم، بیکن بکس ملتان، 2004)